ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

480 اتوار 5 شوال 1432ھ مطابق 4 ستمبر 2011ء

باسی خربوزے

رکشے والا

القرآن

مقبول ہوگی

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِـرَةَ وَسَـعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا O (سورہ بنی اسرائیل:19)

ترجمہ: اور جو شخص آخرت (کے ثواب) کی نیت رکھے گا اور اس کے لیے جیسی سعی (یعنی کوشش) کرنا چاہیے، ویسی ہی سعی بھی کرے گا، بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو، سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی"۔

الحدیث

بڑی برکت والا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَیْسَرُهٗ مُؤْنَةً. (بیہقی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "وہ نکاح بڑی برکت والا ہے جو محنت کے لحاظ سے (کم خرچ والا) ہو"

دو باتیں

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ: ایک بار پھر آپ عید منا رہے ہیں... اللہ کا شکر ہے... آپ کو عید کی خوشیاں مبارک... ان خوشیوں میں دوسروں کو شریک کرنا مبارک... دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہونا مبارک اور بچوں کا اسلام کی نسبت سے ہم سب بھی آپ کے ساتھ آپ کی خوشیوں میں شریک ہیں اور کیوں نہ شریک ہوں... ہم سب ہیں جو ایک...

کہنے کو آپ کہہ سکتے ہیں... کہاں جی... ہم ایک کہاں ہیں... کیا آپ کو کراچی کے حالات کا علم نہیں... آپ جانتے نہیں کراچی میں چند ماہ سے کیا ہو رہا ہے... بلکہ چند ماہ کیوں کہا جائے... یہ تو بہت سالوں سے ہو رہا ہے... ان حالات میں آپ کہہ سکتے ہیں، ہم ایک ہیں، غلط... بالکل غلط...

آپ یہ کہہ سکتے ہیں، کہنے میں حق بجانب بھی ہیں... کراچی کے ساتھ پورے ملک کے حالات ہی ایسے ہیں... لہٰذا کہیں بھی... کسی طرح بھی یہ بات نظر نہیں آتی محسوس نہیں کی جا سکتی... کہ ہم ایک ہیں... پوری قوم ایک ہے... پورا ملک ایک ہے... لہٰذا آپ بے تکی بات لکھ گئے ہیں... اس کا کوئی سر پیر نہیں... بلکہ یہ تو مجذوب کی بڑ ہے... (سرور مجذوب کی نہیں)

آپ یہ بات ضرور کہیں... کہہ کر اپنا جی ہلکا کر لیں... اور عید کی خوشیوں میں شریک رہیں... ان خوشیوں میں دوسروں کو شریک کریں... دوسروں کی خوشی میں شریک ہو جائیں... آپ ایسا کریں تو سہی... آپ خود بخود یہ محسوس کرتے نظر آئیں گے... ہم ایک ہیں...

اسلامی جنگیں قدم بہ قدم

عبداللہ فارانی

قسط نمبر 106

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''صخرہ کی طرف۔''

مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے۔ یہ سابقہ انبیاء کرام کی یادگار ہے۔ اس پتھر کو صخرہ کہتے ہیں۔ یہودی بھی اس پتھر کی تعظیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسلمان حجرِ اسود کی تعظیم کرتے ہیں۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ اسی لیے تم نے صخرہ کے پاس آکر جوتا اتارا۔''

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ دراصل اسلام لانے سے پہلے یہودی عالم تھے۔

اسلامی فتوحات روز بروز زیادہ ہوتی جارہی تھیں اور اسلامی حکومت آگے ہی آگے پھیلتی جارہی تھی۔ اس وجہ سے آس پاس کی حکومتیں خوف میں مبتلا ہوچکی تھیں اور وہ سوچ رہی تھیں کہ اب ہماری باری بھی آئے گی۔ اسی خوف کی وجہ سے جزیرے حمص کے قریب ایک شہر سے لوگوں نے قیصر کو لکھا:

''آپ ایک بار پھر کوشش کریں! ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔''

اس پر قیصر نے ایک بڑی فوج تیار کی اور اسے حمص کی طرف روانہ کیا۔ جزیرے کے لوگ تیس ہزار کا لشکر لے کر اس لشکر کی مدد کے لیے بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان کی تیاریوں کی اطلاعات مل چکی تھیں۔ آپ نے لڑائی کی تیاری شروع کردی اور حمص کے باہر فوجیں جمع کر کے صف آرا ہوگئے۔ ساتھ ہی آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اطلاع دے دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آٹھ بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ ہر چھاؤنی میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے، تاکہ کہیں بھی تازہ دم گھوڑوں کی ضرورت پیش آجائے تو فوراً بھیجے جاسکیں۔ آپ کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا خط ملا تو آپ نے ہر طرف قاصد دوڑا دیے۔ قعقاع بن عمرو اس وقت کوفے میں تھے۔ انھیں لکھا:

''فوراً چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔''

اس کے ساتھ ہی آپ نے سہل بن عدی کو حکم بھیجا:

''جزیرہ پہنچ کر جزیرے کے لشکر کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔''

ساتھ ہی آپ نے عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عتبہ کو حکم دیا:

''جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تھام لیں جو جزیرے میں آباد تھے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام اقدامات کو کافی نہیں سمجھا، خود بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آ گئے۔ جب جزیرے والوں نے سنا کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود پہنچ گئے ہیں تو گھبرا گئے۔ حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرے کی طرف چلے گئے۔ آخر اسلامی لشکر جزیرے کی طرف بڑھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوج کے سامنے ایک زبردست تقریر کی۔ مسلمان جوش میں بھر گئے۔

اسلامی لشکر کے دائیں بازو پر حضرت خالد بن ولید تھے، بائیں پر حضرت عباس اور لشکر کا قلب یعنی درمیانی حصہ خود حضرت ابوعبیدہ کی کمان میں تھا۔

حضرت قعقاع کوفے سے چار ہزار کا لشکر لے کر آ رہے تھے، وہ اس وقت حمص سے چند میل دور تھے کہ انھوں نے جنگ شروع ہو جانے کی خبر سنی۔ اب تو ان سے رہا نہ گیا۔ فوج کو چھوڑ کر صرف سو سواروں کے ساتھ گھوڑے دوڑاتے لشکر سے آ ملے۔

عیسائی لشکر بے تحاشا تھا، لیکن عرب قبائل جنگ کے شروع ہی میں عیسائی لشکر سے الگ ہو گیا۔ ان کے الگ ہونے سے عیسائی لشکر میں کمزوری کے آثار پیدا ہو گئے۔ عرب قبائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر خوف زدہ ہو گئے تھے، اس لیے جنگ شروع ہوتے ہی الگ ہو کر واپس چلے گئے۔ اس بنیاد پر عیسائی زیادہ دیر جم کر نہ لڑ سکے۔ ان کے قدم اکھڑ گئے اور شکست ان کا مقدر بنی۔

عیسائیوں کے ساتھ یہ مسلمانوں کا آخری مقابلہ تھا۔

O

17 ہجری میں ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا۔

اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی اور خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ منورہ پہنچ کر آپ سے گلہ کیا تھا تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا:

''اللہ کی قسم! خالد تم مجھے بہت محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ نے تمام گورنروں کو اس مضمون کا خط لکھا:

''میں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا، لیکن میں دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے شیدائی ہوتے جا رہے تھے۔ اس لیے میں نے انھیں معزول کرنا مناسب سمجھا، تا کہ لوگ جان لیں کہ جو کچھ کرتا ہے، اللہ کرتا ہے۔'' (طبری)

انھی دنوں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ حضرت یزید بن ابی سفیان کو سپہ سالار مقرر فرمالیا اور انھیں حکم فرمایا:

''قیساریہ کی مہم پر جائیں۔''

حضرت یزید بن ابی سفیان 17 ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ آپ نے شہر کا محاصرہ کرلیا، لیکن 18 ہجری (639ء) میں بیمار ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یعنی اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے دمشق آ گئے اور یہیں وفات پائی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کرلیا.. شہر والے کئی بار باہر نکلے... مقابلہ کیا اور پھر اندر چلے گئے... اس طرح قلعہ فتح نہ ہوسکا... ایک روز ایک یہودی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا.. اس کا نام یوسف تھا... اس نے آپ کو ایک سرنگ کے بارے میں بتایا.. سرنگ قلعے کے اندر لے جاتی تھی... چند بہادر اس راستے سے قلعے میں داخل ہوگئے اور انھوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا.. باہر فوج تیار کھڑی تھی... اس نے زوردار حملہ کیا اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیے... اسی ہزار کے قریب فوج تھی... تقریباً ساری ہی ماری گئی... اس طرح شہر فتح ہوگیا...

ان مسلسل فتوحات نے عیسائیوں کی آنکھیں کھول دیں... اب انھوں نے تمام علاقوں میں عربوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں... سب سے پہلے جزیرے کے لوگوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کیں... جزیرے کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی... حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان حالات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے لیے عبداللہ بن معتم کو مقرر فرمایا...

عبداللہ بن معتم تکریت کی طرف بڑھے۔ تکریت جزیرہ کا ابتدائی شہر ہے۔ انھوں نے تکریت کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ 24 مرتبہ حملہ کیا گیا، لیکن شہر فتح نہ ہوسکا۔ اس وقت دراصل صورتِ حال یہ تھی کہ عجمیوں کے ساتھ عرب قبائل بھی ملے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے بھی مشکل پیش آرہی تھی۔ عبداللہ بن معتم نے انھیں پیغام بھیجا:

''تم عرب ہو کر عجمیوں کی غلامی کر رہے ہو، شرم کرو۔''

اس پیغام کا عجیب اثر ہوا۔ انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور عبداللہ بن معتم کو پیغام بھیجا:

''آپ شہر پر حملہ کریں، ہم عین موقعے پر عجمیوں سے الگ ہو کر آپ سے آملیں گے۔''

اس طرح مقررہ تاریخ کو حملہ کیا گیا اور عین جنگ کے دوران عرب قبائل نے عجمیوں پر حملہ کر دیا۔ اس طرح عجمی درمیان میں پھنس گئے۔ انھیں بہت بڑی شکست ہوئی۔

اس فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچا:

''جزیرہ پر چڑھائی کی جائے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔ ایک معمولی سی جنگ کے بعد جزیرے والوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔ اس طرح جزیرے کے تمام علاقے ختم ہوگئے۔

(جاری ہے)

باسی خربوزے

سرور مجذوب ۔ لاہور

حامد گیلانی کی نظر اس ریڑھی والے پر پڑی تو اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔ ریڑھی پر رکھے خربوزے اپنا رنگ روپ کھو چکے تھے اور مرجھائے مرجھائے لگ رہے تھے اور وہ وقت تھا عصر کے بعد کا۔ وہ عصر کی نماز کے بعد اس طرف سے گزر رہا تھا۔

''یہ خربوزے کل کے ہیں... یعنی تم نے منڈی سے کل خریدے تھے... کل بک نہیں سکے تھے کیا؟''

اس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا، لیکن بولا کچھ نہیں:

''کیا بھاؤ دے رہے ہو۔'' اس کے خاموش رہنے پر حامد بولا۔

''تیس روپے کلو۔'' پہلی بار اس کے ہونٹ ہلے۔

تازہ اور اچھے خربوزے اس وقت پچاس روپے کلو بک رہے تھے۔ اس حساب سے باسی اور خراب حالت کے خربوزے تیس روپے کلو ہی بیچ سکتا تھا یا اس سے بھی کم بھاؤ میں۔

''خریدے کیا بھاؤ تھے۔'' حامد نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

''چالیس روپے کلو گھر پڑ گئے تھے۔'' اس نے کہا۔

''اور تیس روپے کلو بیچ رہے ہو۔''

''تو کیا کروں... بچ جو گئے تھے... اب آج پچاس روپے کلو کون خریدے گا۔''

''میں!'' حامد کے منہ سے نکلا۔

''کیا کہا!'' وہ حیران رہ گیا۔

''یہ کل کتنے ہوں گے۔''

''دس کلو تو ضرور ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''میں دل کا مریض ہوں، دس کلو وزن نہیں اٹھا سکتا۔ کیا تم یہ خربوزے میرے گھر پہنچا سکتے ہو۔''

''جی... جی ہاں کیوں نہیں۔'' اس کی حیرت دیکھنے کے قابل تھی۔

''آ جاؤ پھر میرے پیچھے۔''

میں اسے اپنے گھر تک لے آیا۔ خربوزے دو شاپروں میں ڈال کر اس نے مجھے تھما دیے۔ میں نے وہ گھر کے اندر رکھے اور اسے تین سو روپے دے دیے۔ وہ لگا مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھنے۔ ایسے میں حامد نے اس سے کہا:

''تمہارے بیوی بچے ہیں۔''

''ہاں! ہیں... انھی کو کھلانے پلانے کے لیے تو ریڑھی لگاتا ہوں۔''

''آؤ! اندر آجاؤ۔''

''جی۔'' وہ حیران نظر آیا۔

''تم سے چند باتیں کروں گا... دل بہل جائے گا میرا۔''

وہ ڈرا ڈرا سا اندر آگیا... اسے یہ ڈر بھی تھا کہ کوئی اس کی ریڑھی نہ لے کر چلتا بنے۔ اس نے اس خوف کا اظہار اس سے کیا تو حامد نے کہا:

''کوئی نہیں لے جائے گا... اگر کوئی لے گیا تو میں تمھیں دوسری ریڑھی دلوا دوں گا... میرے پاس بے تحاشہ دولت ہے۔''

یہ سن کر وہ حیران رہ گیا... حامد اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا... ڈرائنگ روم پر بے تحاشہ دولت خرچ کی گئی تھی...

''تم بیٹھو! میں تمہارے لیے کچھ لاتا ہوں۔''

وہ اسے حیرت زدہ سا چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ واپس آیا تو کافی دیر ہو چکی تھی اور ریڑھی والا پریشان لگ رہا تھا۔

حامد گیلانی کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ اس میں چائے کے ساتھ دوسری بہت سی چیزیں تھیں۔ اس نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔

''چلیں شروع کریں۔''

''اتنا بہت کچھ۔'' وہ حیران ہو کر بولا۔

''کھاؤ کھاؤ... خوب کھاؤ۔''

اس نے بسکٹ کیک وغیرہ خوب کھائے۔ چائے پی اور پھر بولا:

''میں اب چلوں گا... میرے بیوی بچے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''یہ خربوزے ان کے لیے لیتے جاؤ... وہ کھالیں گے۔''

''جی... کیا مطلب... ضرورت نہیں تھی تو پھر آپ نے خریدے کیوں؟''

''خربوزوں کی اور تمہاری حالت دیکھ کر... تم ان کی طرف دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے... اور سوچ رہے تھے... اگر یہ آج بھی نہ بکے تو خود کھانا پڑیں گے... یہی سوچ رہے تھے نا۔''

''جی... جی ہاں۔'' اس کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''تب پھر یہ خربوزے لے جاؤ... اور ان میں جو زیادہ خراب ہوں... وہ بچوں کو نہ کھانے دینا... کہیں بیمار نہ ہو جائیں۔''

''آپ... آپ عجیب ہیں... ان میں سے اچھے اچھے اپنے گھر والوں کے لیے رکھ لیں۔''

''کوئی ہے ہی نہیں... تو کس کے لیے رکھوں... ہاں اپنے لیے ایک لے لیتا ہوں۔''

''آپ... آپ اکیلے ہیں۔''

''ہاں! میں اس بھری دنیا میں اکیلا ہوں... میرے پاس بہت دولت ہے... لیکن میرا کوئی رشتے دار نہیں، عزیز نہیں... بس اکیلا ہوں۔''

''لیکن آپ نے شادی کیوں نہیں کی... آپ شادی کر لیتے... آپ کا گھر بس جاتا۔''

''شادی... ہاں... میں نے شادی کی تھی... میرے بچے بھی تھے... بیوی بھی فوت ہوگئی... بچے بھی... پھر دوسری شادی کی... وہ بیوی بھی فوت ہوگئی... اس کے ہاں کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی تھی۔''

''آپ نے پھر اس کے بعد شادی نہیں کی۔''

''نہیں... کوشش کی تھی... لیکن آس پاس کے لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ میں منحوس ہوں... جس سے شادی کرتا ہوں... وہ عورت مر جاتی ہے... اس کے بچے بھی مر جاتے ہیں... جب کہ ایسا صرف دو بار ہوا ہے۔''

''میں آپ کے لیے کوشش کروں۔''

''نہیں... کوئی فائدہ نہیں... جہاں بات شروع ہوتی ہے... محلے کے لوگ انھیں جا کر بتا دیتے ہیں... اور وہ لوگ رشتہ دینے سے رک جاتے ہیں۔''

''آپ مجھے کوشش تو کرنے دیں۔''

''اچھی بات ہے... آپ بھی کوشش کر لیں۔'' حامد گیلانی مسکرا دیا۔

کچھ دنوں بعد حامد گیلانی کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو ریڑھی والا نظر آیا۔ پچھلی مرتبہ جاتے وقت اس نے اپنا نام امجد محمود بتایا تھا۔

''آؤ امجد محمود... بہت دنوں بعد چکر لگایا۔''

''جی ہاں... فرصت نہیں ملی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اندر آ گیا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

''آپ کے لیے ایک رشتہ تلاش کیا ہے۔''

''اوہو اچھا... تم نے انھیں ساری بات بتا دی۔''

''جی ہاں بتا دی... ان کی طرف کی بات آپ سن لیں... وہ خاتون بیوہ ہے... بلکہ دو بار بیوہ ہو چکی ہے... اس کے ہاں بچے بھی ہوئے تھے... وہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔''

''اوہو اچھا۔'' حامد گیلانی نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! ہمارے محلے کی ہیں... ان کے بارے میں بھی محلے کے لوگوں نے یہی مشہور کر رکھا ہے... کہ جو اس سے شادی کرتا ہے... مر جاتا ہے... اس لیے اب اس کے لیے رشتہ نہیں ملتا۔"

حامد گیلانی یہ سن کر مسکرا دیا... پھر اس نے کہا:

"شکل صورت کی کیسی ہیں... مجھے ذرا تفصیل سناؤ۔"

"شکل صورت کی اچھی ہیں... غریب گھرانے کی ہیں... اور بس۔"

"ٹھیک ہے... میں اس رشتے کے لیے تیار ہوں۔"

اس طرح یہ شادی ہوگئی... خاور محمود آج بھی وہیں ریڑھی لگاتا ہے... حامد گیلانی اب اس کا دوست بن چکا ہے... اب خاور محمود کو یہ خوف نہیں ہوتا کہ شام کو اس کا سودا بچ گیا تو کیا ہوگا... کیونکہ حامد گیلانی نے اس سے کہہ رکھا ہے...

"جب بھی تمہارا سودا بچ جائے... شام کو میرے پاس لے آیا کرو۔"

OO

رکشے والا

منیب حسن۔ کراچی

یوں تو ہم ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، کیونکہ والد صاحب ایک تنخواہ دار ملازم تھے، یعنی ایک سرکاری محکمے میں ہیڈ کلرک کے فرائض انجام دیتے تھے، لیکن بہرحال تھے بڑے دل گردے والے آدمی، کیونکہ ہمیں جو پال رہے تھے۔ ہم بچپن ہی سے نہایت لاڈلے واقع ہوئے تھے، چنانچہ تعلیمی میدان میں ہمارے خوب ناز اٹھائے گئے۔ ہمیں اعلیٰ تعلیم دلوائی گئی، تاکہ ہم اپنی زندگی بہتر طور پر بسر کرسکیں، لیکن قربان جایئے آپ مجھ پر کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی ہم نے ابا جان کے خرچے پر اپنا گزارا شروع کیا۔ ابا حضور نے کچھ دن لاڈ کی وجہ سے صبر کے گھونٹ بھرے، مگر جب محسوس کیا کہ صاحب زادے کا کام کاج کرنے کا ارادہ نہیں، سوائے مفت کی روٹیاں توڑنے کا ہے تو ایک دن ابا طیش میں آگئے۔ فرمانے لگے، برخوردار! کچھ کام بھی کرنا ہے یا یوں ہی میرے خرچے پر بیوی بچے پالنے کا ارادہ ہے؟۔ ابا تو یہ بول کر چل دیے مگر ہم جو نہایت نازک مزاج اور حساس طبیعت واقع ہوئے تھے، ابا کی یہ بات دل پر لے بیٹھے۔ خیر اُسی دن بغیر ناشتا کیے، ڈگریاں اٹھائے نوکری کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ بغیر ناشتا کیے اس لیے نکلے کہ اب اپنی کمائی ہی سے پیٹ کی آگ کو بجھائیں گے، لیکن نوکری تلاش کرنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں تھا، سو ہم بھی در در دھکے کھا کر گوشۂ ابا میں واپس آگئے اور خوب روئے دھوئے۔ خیر دن یونہی گزرتے رہے۔ نوکری نہ ملنی تھی سو نہ ملی۔ ایک دن یونہی سڑک پر مارے مارے پھر رہے تھے کہ راستے میں ایک بینر پر جلی حروف میں لکھا تھا ''رکشہ برائے فروخت'' ہمارے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا کہ کیوں نہ ہم اپنی قسمت رکشے پر آزمائیں؟ یہی سوچ لیے گھر آگئے اور خیالات میں شیخ چلی کی قبر پر بھی لات ماری کہ رکشے سے اتنا کمائیں گے کہ دن پھر جائیں گے۔ خیالات ایسے آرہے تھے، گویا ہم جہاز ہی تو خرید رہے ہوں۔

خیر اب رقم کا تقاضا تھا تو ہم نے اپنے اکلوتے دوست احمد کے گھر کی راہ لی اور ان کے سامنے رقم کا تقاضا کیا اور وجہ بھی گوشِ گزار کردی تو حضرت یوں اچھلے، گویا نیچے اسپرنگ لگ گئے ہوں۔ فرمانے لگے، کاشف تم رکشہ چلاؤ گے؟ ہم نے بڑے تحمل اور استقلال سے کہا ''ہاں۔''

بس پھر کیا تھا، اس نے ہمیں سمجھانے میں زمین آسمان ایک کردیا۔ ڈگریوں کے طعنے دیے اور رکشے کے پیچھے لکھے ہوئے شعر سنائے، لیکن ہم پر تو دھن سوار تھی، لہٰذا اس کی ایک نہ سنی اور ناچار اسے پیسے دیتے ہی بن پڑی۔

O

اللہ اللہ خیر صلا، رکشا چلانا شروع کیا، بڑی تگ و دو اور مشقت کرکے چند سو روپے روز کی بچت ہوتی جو ہمارے لیے ناکافی تھی، کیونکہ اسی رقم سے پیٹ کی آگ کو بھی بجھانا تھا اور قرض بھی لوٹانا تھا۔ خیر ہم نے مزید محنت کی، لیکن نتیجہ

ڈھاک کے وہی تین پات اور اوپر سے گھر والوں کے طعنے کہ ماشاء اللہ M.S.C رکشہ ڈرائیور ہے، ہمارا بیٹا سوا یک دن دل برداشتہ ہو کر اپنی یہ قیمتی متاع بیچ ڈالی۔

بس نہ پوچھیے کہ پھر کس طرح رکشہ چلانے سے توبہ کی۔ آج بھی وہ دن یاد آتے ہیں تو اپنی کم عقلی اور حماقت پر ہنسی آجاتی ہے کہ اگر ذرا سا تحمل اور مستقل مزاجی سے کام لیا ہوتا تو پہلے ہی بھلی نوکری ہماری منتظر تھی۔ آج بھی ابا جان ''رکشے والا'' کہہ کر پکارتے ہیں تو دل خون کے آنسوں روتا ہے۔

خونی تجربہ

اشتیاق احمد

قسط نمبر 11

''اوہو، تو تم نے بھی کوئی جال بچھا رکھا ہے؟''

''مجرم کو پکڑنے کے لیے میں ہمیشہ جال بچھایا کرتا ہوں اور اس مرتبہ کا جال تو بہت ہی مضبوط ہے۔'' انھوں نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن جب تم ہی ختم ہو جاؤ گے تو تمہارا جال کہاں رہے گا۔''

''جال اپنا کام پھر بھی کرتا رہے گا... یوں سمجھ لو کہ وہ آٹومیٹک جال ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے شوخ آواز میں کہا۔

''باتوں میں وقت ضائع کرنے کی کوشش کر رہا ہے یہ، تاکہ فوجی اس کی مدد کو آجائیں۔ ہمیں اس وقت سے پہلے ہی اس سے چھٹکارا پا لینا چاہیے۔'' دوسرے نے کہا۔

''ہاں، بات تو ٹھیک ہے... خیر، سب سے پہلے اس پر میں گولی چلاؤں گا... تم میرے نشانے کی داد دو گے۔'' اس نے کہا اور پستول کی نالی کا رخ ان کے سینے کی طرف کر دیا۔ وہ پلک جھپکے بغیر اس کی انگلی کو دیکھنے لگے، جوں ہی انگلی حرکت میں آئی، انھوں نے چھلانگ لگا دی اور ایک درخت کی اوٹ میں چلے گئے۔ گولی زمین پر لگی اور گرد کا ایک چھوٹا سا بادل نمودار رہوا۔ فوراً ہی دوسرا فائر ہوا۔ انسپکٹر جمشید وہاں سے بھی اچھلے اور ایک درخت کی اوٹ میں ہو گئے۔ اب دشمنوں پر جنون سا سوار ہو گیا۔ انھوں نے بیک وقت فائر کیے۔ انسپکٹر جمشید کے حلق سے ایک دل دوز چیخ نکلی اور وہ لڑھکتے ہوئے حملہ آوروں تک آ گرے۔ دشمن ابھی اپنی کامیابی پر خوش ہو رہا تھا کہ ایک ساتھ چھ فائر ہوئے۔ چھ چیخیں بلند ہوئیں۔ بقیہ چار کی بوکھلاہٹ اس درجے کو پہنچ گئی کہ جوابی فائر کرنے کا انھیں خیال تک نہیں آیا اور اسی لمحے انسپکٹر جمشید ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے ہاتھ اور پیر بلا کی تیزی سے چل رہے تھے اور وہ چاروں اپنے جسموں پر گویا قیامت ٹوٹتی محسوس کر رہے تھے۔

جب محمود، فاروق اور فرزانہ کیپٹن ریاض اور اس کے ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچے تو چھ لاشیں اور چار بری طرح زخمی آدمیوں نے ان کا استقبال کیا۔ انسپکٹر جمشید ایک درخت سے ٹیک لگائے اس طرح بیٹھے تھے، جیسے کوئی مسافر تھکن اتارنے کے لیے بیٹھ جائے۔ ان کے چہرے پر بھی ایک تھکی تھکی سی مسکراہٹ تھی۔ ان کے نزدیک پہنچنے پر وہ بولے:

''مجھے نہیں معلوم تھا، یہ بیگ اتنا خونی ثابت ہوگا۔ اب ہم ان لاشوں اور زخمیوں کو لے کر پولیس سٹیشن جائیں گے اور زخمیوں سے یہ معلوم کریں گے کہ یہ کس کے ملازم ہیں، کس کے کہنے پر ہمیں انھوں نے ختم کرنے کی کوشش کی۔''

چاروں زخمیوں پر جب سختی کی گئی تو ان میں سے ایک نے جلد ہی زبان کھول دی۔ اس نے بتایا:

’’ہم کنگ کے لیے کام کرتے ہیں۔اس کے ملازم ہیں۔‘‘

’’کیا کہا، کنگ۔‘‘اسلم کاردار زور سے چونکا۔

’’ہاں، کنگ کے لیے۔‘‘وہ بولا۔

’’یہ کنگ کون ہے؟‘‘انسپکٹر جمشید اسلم کاردار کی طرف مڑے۔

’’نیوٹاؤن کا ہوا... اس کا ٹھکانا کہیں زیرِ زمین ہے... لوٹ مار کرتا ہے اور زیرِ زمین چھپ جاتا ہے... ہم آج تک اس کے ٹھکانے کا پتا نہیں لگا سکے۔‘‘

’’تو پھر یہ شخص ہمیں وہاں لے جائے گا، لیکن اس سے پہلے ہمیں تمام معلومات حاصل کرنا ہوں گی... کیا خبر، اس کے ساتھ اور کتنے آدمی ہوں اور وہ مقابلے پر اُتر آئے۔‘‘

’’جی ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔‘‘اسلم کاردار نے پر جوش لہجے میں کہا۔

’’کنگ کے ساتھ تقریباً پچاس آدمی ہیں، جن میں سے دس تو آج کام آگئے، بقیہ چالیس زیرِ زمین ٹھکانے میں اس کے ساتھ ہوں گے۔ان کے پاس ہر قسم کا اسلحہ موجود ہے اور یہ اسلحہ انھیں دشمن ملک کی طرف سے مل جاتا ہے۔کنگ کو جب بھی ضرورت ہوتی ہے، وہ کسی کو وائرلیس پر کہہ دیتا ہے اور پھر سرحد پر رات کی تاریکی میں اسلحہ پہنچ جاتا ہے۔کنگ کے آدمی اسلحہ اٹھالاتے ہیں۔اس اسلحے کی مدد سے وہ پورے نیوٹاؤن اور آس پاس کے علاقے میں لوٹ مار کا بازار گرم رکھتا ہے۔‘‘زخمی نے بتایا۔

’’لیکن اس نے تمھیں ہمارا کام تمام کرنے کا حکم کیوں دیا تھا؟‘‘

’’وائرلیس پر اسے ہدایات موصول ہوئی تھیں، جس کے ذریعے سے وہ اسلحہ حاصل کرتا ہے۔کبھی کبھی وہ بھی اس سے کام لیتا ہے اور کنگ اس کا ہر کام خوش ہو کر کرتا ہے۔‘‘

’’ہوں، میں سمجھ گیا۔کنگ نے آج کسی آدمی کو ہوٹل شیش محل بھی بھیجا تھا۔‘‘

’’وہاں وہ خود گیا تھا... میں نے اس کے ہاتھ میں ایک بلو پائپ بھی دیکھا تھا۔‘‘

’’بہت خوب، تو پھر آؤ... ہمیں اس کے زیرِ زمین ٹھکانے کے منہ تک لے چلو، باقی کام ہم خود کر لیں گے... اور ہاں، یہ بھی بتا دو کہ اس ٹھکانے سے نکلنے کے کتنے راستے ہیں۔‘‘

’’مجھے تو ایک ہی راستے کا علم ہے... اگر کوئی اور راستہ بھی ہے تو اس کے بارے میں شاید کنگ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔‘‘

’’خیر، دیکھا جائے گا۔‘‘

پوری تیاریاں کرنے کے بعد وہ روانہ ہوئے۔اب محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی پستول دے دیے گئے، جلیل کھوکھر کو

البتہ پستول نہیں دیا گیا تھا، کیونکہ اس کے بارے میں ابھی تک اطمینان نہیں ہوا تھا۔

زیرِ زمین ٹھکانے کا راستہ ایک دراڑ میں سے ہو کر جاتا تھا۔ یہ دراڑ بہت دشوار گزار تھی اور اوپر سے دیکھنے پر اندر سے بالکل بند نظر آتی تھی، لیکن دراڑ میں اترنے کے بعد جوں جوں آگے بڑھا جاتا، دراڑ کشادہ ہوتی چلی جاتی تھی اور اس دراڑ سے آگے ایک بہت بڑا خلا تھا۔ اس خلا کو ہی کنگ نے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ اسلم کاردار اس دراڑ کے پاس پہنچ کر بھونچکا سا رہ گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ اس دراڑ اور آس پاس کے علاقے کا کئی بار معائنہ کر چکے ہیں، لیکن انھیں کبھی خیال بھی نہیں گزرا کہ کنگ کا ٹھکانا اس دراڑ کے نیچے بھی ہو سکتا ہے۔

"چلیے کاردار صاحب، لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیجیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اسلم کاردار نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا:

"کنگ، تمہارے زیرِ زمین ٹھکانے کو پوری طرح گھیر لیا گیا ہے.. پورے جنگل میں پولیس بھری پڑی ہے... ہمارے پاس بھی ہر قسم کا اسلحہ موجود ہے اور تعداد تقریباً پانچ سو ہے، جب کہ تمہارے ساتھ آج صرف چالیس آدمی ہیں... تم نے جو دس آدمی انسپکٹر جمشید صاحب اور ان کے بچوں کو ہلاک کرنے پر مامور کیے تھے، ان میں سے چھ کو انھوں نے ہلاک اور بقیہ چار کو زخمی کر دیا ہے.. ان چار زخمیوں میں سے ایک زخمی ہمیں تمہارے ٹھکانے تک لے آیا ہے.. اب تم بچ نہیں سکتے... تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ خود کو قانون کے حوالے کر دو، ورنہ تم سب کے سب اپنے اس ٹھکانے کو اپنے لیے مقبرہ بنا لو گے۔"

اسلم کاردار کہتا چلا گیا... خاموش ہونے کے بعد انھوں نے دو تین منٹ تک جواب کا انتظار کیا... جب کوئی جواب نہ ملا، تو اسلم کاردار نے پھر کہا:

"اچھا تو کنگ، اگر تم کوئی جواب نہیں دیتے تو ہم اپنی کارروائی شروع کرتے ہیں... لو ہم تمہارے ٹھکانے میں پٹرول بہانا شروع کرتے ہیں.. اس کے بعد ہمارا کام صرف اتنا ہو گا کہ پٹرول کی لکیر کو دیا سلائی دکھا دیں... آگ خود بخود تم تک پہنچ جائے گی۔" یہ کہہ کر اسلم کاردار ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ چند منٹ تک پھر جواب نہ ملا تو انسپکٹر جمشید بولے:

"دراصل وہ ہمارے الفاظ کو گیدڑ بھبکیاں خیال کر رہا ہے، اس لیے پٹرول نیچے پہنچانا ہی ہو گا۔"

پٹرول کے ٹین دراڑ میں الٹائے جانے لگے... پٹرول بہہ بہہ کر نیچے جانے لگا.. اچانک ایک بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی:

"ہم لوگ اوپر آ رہے ہیں، آگ نہ لگائیں۔"

"اگر تم لوگوں نے اسلحہ استعمال کرنے کی کوشش کی تو ہم جوابی فائر بھی کریں گے اور پٹرول کی لکیر کو آگ بھی

دکھائیں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''ہم خالی ہاتھ اوپر آ رہے ہیں۔'' آواز آئی۔

اور پھر دڑاڑ میں سے کنگ کے آدمی نکلنے لگے... زخمی آدمی کو وہ ساتھ لائے تھے... وہ ان نکلنے والوں کو دیکھتا رہا... پولیس ساتھ ساتھ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالتی رہی... یہاں تک کہ تقریباً چالیس آدمی گرفتار کر لیے گئے... اس کے بعد ان کے اوپر آنے کا سلسلہ بند ہو گیا:

''ان میں کنگ کون سا ہے؟'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''کنگ ان میں نہیں ہے۔'' زخمی بولا۔

''تم لوگ بتاؤ کنگ کہاں ہے؟''

''وہ نیچے ہی رہ گئے ہیں۔'' ایک بولا۔

''کیوں، کیا ان کا ارادہ گرفتاری دینے کا نہیں ہے؟''

''معلوم نہیں، انھوں نے کہا تھا کہ پہلے ہم اوپر چلیں، بعد میں وہ آئیں گے۔''

''اچھی بات ہے، مسٹر کاروار بات کیجیے اس سے۔''

''ہیلو کنگ، تمہارے ساتھی سب کے سب اوپر آ کر گرفتاری دے چکے ہیں۔ اب تم نیچے کیا کر رہے ہو۔ مہربانی فرما کر۔''

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ ایک خوف ناک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور پھر دڑاڑ کے آس پاس کی زمین اس طرح بیٹھ گئی جیسے صابن کا جھاگ۔ کتنے ہی درخت انھوں نے نظروں سے غائب ہوتے دیکھے۔ اس کے بعد کئی زوردار دھماکے ہوئے اور گرد کے ایک گہرے بادل نے انھیں لپیٹ میں لے لیا۔ جب بادل چھٹا تو تقریباً دو سو مربع میٹر میں ایک گہری کھائی بن چکی تھی۔

''اس نے ڈائنامیٹ کے ذریعے سب کچھ ختم کر دیا اور شاید خود بھی ختم ہو گیا۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''اس طرح یہ راز پھر راز ہی رہ گیا کہ کنگ سے کام کون لیتا رہا ہے۔'' فرزانہ نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں، لیکن تم فکر نہ کرو... یہ راز اب اور زیادہ دیر تک راز نہیں رہے گا۔'' انھوں نے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئے۔

(جاری ہے)

انوکھے فائدے

فہیم احمد۔ بھکر

نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔ وضو کو عام طور پر ایک مذہبی فریضہ کے طور پر سمجھا جاتا ہے، لیکن حقیقتاً اس سے نہ صرف روحانی بلکہ بہت سے جسمانی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ وضو کرتے وقت جسم کے مختلف اعضاء کو دھویا جاتا ہے۔ آیئے وضو سے حاصل ہونے والے چند انوکھے فوائد پر نظر ڈالتے ہیں جو کہ جدید سائنسی مشاہدات کی بنیاد پر دیکھے گئے ہیں۔

وضو کرتے وقت جب ہم ہاتھ دھوتے ہیں تو ہمارے جسم کا اندرونی برقی نظام تیز ہو جاتا ہے اور برقی رو ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے۔ جس سے ہمارے ہاتھ مضبوط بلکہ خوب صورت ہو جاتے ہیں۔ درست طریقے سے وضو کرنے پر آدمی کے ہاتھوں کی انگلیوں کے اندر ایسی لچک پیدا ہو جاتی ہے جس سے انسان کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کو کاغذ یا کینوس پر منتقل کرنے کی خفیہ صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

کلی کرنا:۔ ہاتھ دھونے کے بعد ہم کلی کرتے ہیں۔ کلی کرنے سے نہ صرف منہ کی صفائی ہوتی ہے، بلکہ دانتوں کی بہت سی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔ جبڑے مضبوط ہوتے ہیں۔ مسوڑوں کی جانب خون کی گردش بڑھتی ہے۔ دانتوں میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ قوت ذائقہ بڑھتی ہے۔ لعابِ دہن کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے جو کہ ہمارے نظامِ ہضم کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ دورانِ وضو غرارہ کرنے سے آدمی نسلوں کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔

ناک میں پانی ڈالنا:۔ ناک ہمارے جسم کا ایک انتہائی اہم عضو ہے۔ ناک میں زبردست صلاحیت یہ ہے کہ آواز میں گہرائی اور سہانا پن پیدا کرتی ہے۔ ناک کے اندر کی پرت آواز کی خوب صورتی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ناک پھیپھڑوں میں جانے والی ہوا کو آلائشوں سے پاک کر کے صاف، گرم اور موزوں بناتی ہے۔ ہر آدمی کے اندر روزانہ 500 مکعب فٹ ہوا داخل ہوتی ہے۔ اس سے ایک بڑا کمرہ بھرا جا سکتا ہے۔ ناک ہوا کو مرطوب بنانے کے لیے تقریباً چوتھائی گیلن نمی روزانہ پیدا کرتی ہے۔ وضو کے دوران ناک میں پانی ڈالنے سے نہ صرف ناک نم ہو جاتی ہے بلکہ اس کی کارکردگی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ یہ زیادہ بہتر طریقے سے ہوا کو صاف کر کے پھیپھڑوں کی جانب بھیجتی ہے۔ جس سے خون آکسیجن کی زیادہ مقدار جذب ہوتی ہے۔ یہ زیادہ آکسیجن والا خون جب جسم کی جانب گردش کرتا ہے تو تندرستی میں اضافہ ہوتا ہے۔ زیادہ آکسیجن ملنے پر دماغ بھی زیادہ بہتر طریقے سے اپنے افعال سرانجام دیتا ہے۔

چہرہ دھونا:۔ وضو کے دوران چہرہ دھونے سے اس کے عضلات میں لچک پیدا ہوتی ہے۔ چہرے کی جلد نرم ہو جاتی ہے۔ گرد و غبار کی وجہ سے بند مسامات کھل جاتے ہیں۔ چہرہ بارونق، پرکشش ہو جاتا ہے۔ چہرے کی جانب اگر دورانِ خون بڑھا ہوا ہو یا کم ہو تو وہ اعتدال پر آ جاتا ہے۔ چہرہ دھونے کے دوران جب پانی آنکھوں میں جاتا ہے تو اس سے

آنکھوں کی صفائی ہوجاتی ہے۔آنکھوں کے ڈیلے میں سفیدی اور پتلی میں چمک غالب آجاتی ہے۔ چہرے پر ہاتھ پھیرنے سے دماغی سکون میں اضافہ ہوتا ہے۔

کہنیوں تک ہاتھ دھونے سے براہِ راست اثر سینے پر پڑتا ہے۔انسان میں دوڑتی برقی رو کا رخ سینے کی جانب ہوجاتا ہے۔جس سے وہاں کے اعضاء کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔اس عمل سے بازو کے عضلات بھی مضبوط ہوتے ہیں۔

مسح کرنے سے انسان کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔گرمیوں میں مسح کرنے سے گردن توڑ بخار کا خطرہ کم ہوجاتا ہے۔مسح کرنے سے انسان کو ایک خاص توانائی حاصل ہوتی ہے جس کا تعلق ریڑھ کی ہڈی میں موجود حرام مغز اور تمام جسمانی جوڑوں سے ہے۔گردن کا مسح کرنے سے جسم میں بننے والی برقی رو ہاتھوں کے ذریعے سے شہ رگ میں ذخیرہ ہوتی ہے اور ریڑھ کی ہڈی سے گزرتے ہوئے پورے اعصابی نظام میں پھیل جاتی ہے۔جس سے اعصابی نظام کو تقویت ملتی ہے۔

پیر انسانی جسم کا ایک بہت ہی حساس عضو ہے۔اس کا تعلق براہِ راست دماغ سے ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب ہمارے پاؤں میں کانٹا چبھے یا کسی پاؤں کے پیچھے کوئی انجان سی چیز آجائے تو فوراً ہم گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ پاؤں دھوتے وقت دماغ کو سکون کا احساس ملتا ہے۔انسان پر سکون ہوتا ہے اور یہی پر سکون حالت نماز میں گہرے انہماک اور توجہ بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔

وضو کے اتنے بیش بہا فوائد کے پیش نظر کوشش کریں کہ ہر وقت باوضو رہیں کہ یہ سنت بھی ہے۔اس سے نہ صرف آپ کو مذکورہ تمام فوائد حاصل ہوں گے بلکہ اس سے کہیں بیش بہا روحانی سکون اور فوائد آپ کو ملیں گے۔

سیر گاہ

رضوانہ سید۔ایبٹ آباد

''ہمارا بادشاہ مر گیا ہے... اور ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔''

شہر کے دروازے پر پہنچنے والے شخص نے یہ بات سنی تو حیرت زدہ رہ گیا۔اس نے دیکھا،اس کے سامنے دس بارہ افراد کھڑے تھے۔ان کے جسموں پر بہت قیمتی لباس تھے۔ایسے لباس عام طور پر شاہی لوگوں کے ہوتے ہیں۔وہ سب اس کے سامنے باادب کھڑے تھے۔

''کیا کہا آپ نے۔'' مسافر نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

''ہم نے کہا ہے،ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے ہیں... کیونکہ ہمارا بادشاہ مر گیا ہے۔''

''یہ بادشاہ بنانے کا بھلا کون سا طریقہ ہے... آپ بادشاہ کے بیٹے کو اس کی جگہ تخت پر بٹھائیں... یا اس کے کسی وزیر کو بنائیں... یا شہر میں جو سب سے عقل مند شخص ہو،اسے بنائیں... ایک ایسے شخص کو کیوں بادشاہ بناتے ہیں... جو آپ کے شہر کا رہنے والا ہے ہی نہیں... جسے یہاں کے لوگوں کے بارے میں کچھ معلوم تک نہیں... یہاں کے رسم و رواج کو وہ نہیں جانتا۔'' اس نے جلدی جلدی کہا۔

''ہمارے ملک کا دستور یہی ہے... کہ ملک میں سے بادشاہ کسی کو نہیں بناتے... بادشاہ ہمیشہ باہر کا ہی ہوتا ہے... اب کل جو بادشاہ مرا ہے،وہ بھی آپ ہی کی طرح یہاں آیا تھا... اس نے بہت ہی اچھے طریقے سے حکومت کی،انصاف کیا... سب لوگ اس سے بہت خوش تھے۔''

''اس کے بیوی بچے ہیں۔''

''ہاں! بالکل ہیں... لیکن وہ یہاں تنہا آیا تھا... بادشاہ بنائے جانے کے بعد اس نے شادی کی... اس کے بچے ہیں... بیوی بھی ہے،لیکن قانون کے مطابق ان میں سے کسی کو بادشاہ نہیں بنایا جا سکتا۔''

''اور اگر یہ بادشاہ جو کل فوت ہوا ہے،اچھی طرح حکومت نہ کرتا؟''

''اس صورت میں اسے ہم قتل کر دیتے... ہم کسی کو بادشاہ اسی صورت میں مانتے ہیں،جب وہ انصاف کرے... رعایا پر ظلم نہ کرے... کوئی ظالم ثابت ہو،ناانصاف ثابت ہو تو ہماری کابینہ مشورہ کر کے اس کے خلاف فیصلہ کرتی ہے... پھر اسے بے خبری کے عالم میں گرفتار کر لیا جاتا ہے... اور موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔''

''اور اگر کوئی بادشاہ بننے سے انکار کر دے... مطلب یہ کہ اگر میں انکار کر دوں۔''

''آپ خوشی سے انکار کر سکتے ہیں... ہم کسی کو زبردستی بادشاہ نہیں بناتے... جس کی مرضی ہوتی ہے،بس اسی کو بناتے ہیں۔''

''میں مسافر ہوں... روزی کی تلاش میں اس طرف آنکلا ہوں... اگر میں بادشاہ بننے سے انکار کردوں تو آپ مجھے یہاں رہنے دیں گے... میں یہاں کام تلاش کروں گا... مل گیا تو ٹھیک... نہ ملا تو واپس لوٹ جاؤں گا۔''

''آپ ایسا کرسکتے ہیں۔''

''تب میں بادشاہ بننے سے انکار کرتا ہوں۔''

''حیرت ہوئی یہ سن کر... لیکن آپ کی مرضی۔''

''اور اب آپ کیا کریں گے۔''

''کل صبح پھر یہاں آئیں گے... جو سب سے پہلے اندر داخل ہونے لگے گا... اسے بادشاہ بنائیں گے... اگر اس نے انکار نہ کیا۔''

''اور اگر اس نے بھی انکار کردیا تو؟''

''ہم ہر روز یہاں آتے رہیں گے... جب تک کہ کوئی بادشاہ بننا منظور نہ کرے۔''

وہ اندر کی طرف بڑھ گئے... پھر دوسرے دن آنے والے نے بادشاہ بننا خوشی سے منظور کرلیا... اسے بادشاہت سونپ دی گئی... حکومت کے تمام معاملات اسے سمجھا دیے گئے... وہ حکومت کے تمام معاملات بہت جلد سیکھ گیا... اور بہت اچھے انداز سے حکومت کرنے لگا...

O

اس شہر میں ایک بہت خوب صورت سیر گاہ تھی... یہ سیر گاہ بہت بڑی تھی... شہر کے اکثر لوگ یہاں صبح سیر کے لیے آتے تھے... یہاں تک کہ بادشاہ بھی آتا تھا... ایک روز بادشاہ کے سامنے ایک شخص آگیا... اس نے بادشاہ کو سلام کیا... بادشاہ نے بھی اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا...

''بادشاہ سلامت! جس روز آپ شہر میں داخل ہوئے تھے... اس سے ایک روز پہلے میں آیا تھا... آپ سے پہلے مجھے اس ملک کا بادشاہ بننے کی پیش کش ہوتی تھی۔''

''اوہو اچھا!'' بادشاہ نے حیران ہوکر کہا۔

''لیکن میں نے بادشاہ بننا منظور نہیں کیا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''لیکن کیوں؟'' بادشاہ حیرت زدہ رہ گیا۔

''مجھے اس طرح بادشاہ بننا اچھا نہیں لگا تھا... میں نے خیال کیا تھا... بھلا میرا کیا حق یہاں کے لوگوں پر حکومت کرنے کا... بس میں نے انکار کردیا تھا... اس سے اگلے دن آپ آگئے اور آپ نے بادشاہ بننا منظور کرلیا۔''

''یہ بات سن کر حیرت ہوئی کہ آپ کو بادشاہت کی پیش کش ہوئی اور آپ نے انکار کردیا۔''

''بات یہی ہے... میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں... آپ نے بادشاہت کو کیسا پایا؟''

''ابھی تو میں نیا نیا بادشاہ بنا ہوں... وقت گزرنے کے ساتھ اندازہ ہوگا۔''

''ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

''اور تم یہاں کیا کر رہے ہو۔''

''مجھے ایک دکان پر ملازمت مل گئی ہے... دکان کا مالک اچھی تنخواہ دیتا ہے... دن بھر دکان پر کام کرتا ہوں، رات کو گھر جا کر سو جاتا ہوں... اس نے رہائش کے لیے جگہ بھی دی ہوئی ہے... عشا کی نماز کے بعد بس اس قدر نیند آئی ہوئی ہوتی ہے کہ پتا نہیں رہتا... صبح فجر کی نماز کے وقت ہی پھر آنکھ کھلتی ہے۔''

''بہت عام سی اور سادہ سی زندگی ہے پھر تمہاری تو۔''

''جی ہاں! یہ تو ہے۔'' اس نے سر ہلا دیا۔

دن گزرتے گئے... دونوں کی کبھی کبھی سیر گاہ میں ملاقات ہو جاتی... پھر ایک مدت بعد دونوں کی ملاقات ہوئی... اب ان کے چہروں پر بڑھاپے کا راج تھا بال نصف سے بھی زیادہ سفید ہو چکے تھے... بادشاہ نے اسے دیکھتے ہی کہا:

''کیسے ہو دوست۔'' یہ پوچھتے وقت اس کے چہرے پر ایک تھکی تھکی مسکراہٹ آ گئی۔

''اللہ کا شکر ہے... ٹھیک ہوں۔'' وہ بھی مسکرایا، لیکن اس کی مسکراہٹ میں تھکن نہیں تھی، تر و تازہ سی تھی۔

''آپ سنائیں... آپ کی حکمرانی کا کیا حال ہے۔''

''میں... میں محسوس کرتا ہوں... اس بادشاہت نے مجھے وقت سے بہت پہلے بوڑھا کر دیا... میرے رات دن پر سکون نہیں گزرتے... بادشاہ بننے کے بعد میں کبھی آرام سے نہیں سویا... کوئی دن بے فکری کے عالم میں نہیں گزرا... تم کہو... تمہارے دن رات کیسے گزرے۔''

''میں... مجھے تو صبح سے شام تک بس دکان پر کام کرنا ہوتا تھا... کسی کو حساب نہیں دیتا... کسی سے حساب نہیں لیتا... نہ کوئی پریشانی نہ کوئی غم... رات کو پر سکون نیند سوتا رہا... صبح سویرے نماز کے لیے چلا جاتا... مسجد سے آ کر ناشتا کرتا اور دکان پر چلا جاتا... ذمے داری ہی نہیں تھی... دکان کی صفائی کی، چیزیں ترتیب سے لگائیں اور جب گاہک آنے شروع ہوئے تو انھیں ان کی ضرورت کی چیزیں نکال نکال کر دے دیں اور بس... اتنے سے کام میں بھلا کیا پریشانی... کیا فکر اور کیا غم۔''

بادشاہ نے ایک سرد آہ بھری... اور بولا:

''آج میں سوچتا ہوں... تم نے بادشاہ نہ بن کر بہت اچھا فیصلہ کیا تھا اور میرا بادشاہ بننے کا فیصلہ بہت غلط تھا...'' یہ کہتے ہوئے بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کیا؟

ایس ایس قیصرانی۔تونسہ شریف

”پلیز بابا جان! میری بات سن تو لیں۔“

”تم میری ایک چھوٹی سی خواہش کا احترام نہیں کر سکتے اور میں تمہاری باتیں سنتا رہوں۔“

”میں حساب کیسے پڑھوں جب کہ ڈاکٹر بننا میرا خواب ہے۔“

”طلحہ! کیوں نہیں پڑھ سکتے تم حساب؟ اپنے بیٹے کو انجینئر بنانا میرا خواب ہے اور تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔“

”لیکن بابا!“

”کوئی لیکن ویکن نہیں، میں نے کہہ دیا، تمہیں میتھس ہی پڑھنی ہے نہیں تو نافرمان اولاد کے لیے میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔“

”آپ میتھس پڑھنے کے علاوہ جو بھی کہیں، میں ماننے کو تیار ہوں لیکن بابا! حساب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کو تو پتا ہے کہ حساب میں میٹرک میں بھی میرے نمبر کتنے کم آئے پھر بھی آپ۔“

”تم پرسوں سے حساب کی کلاسز شروع کر رہے ہو۔ تم نے سنا ہوگا کہ ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔“ آفتاب احمد سختی سے کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

O

محمد طلحہ آفتاب احمد کی اکلوتی اولاد تھا۔ وہ ایک محنتی اور فرماں بردار بچہ تھا۔ اُسے اپنے ماں باپ سے بے حد محبت تھی۔ اس لیے ان کا خیال رکھتا تھا، پندرہ دن پہلے اس کا میٹرک کا رزلٹ آیا تھا۔ اس میں اس نے 87% نمبر حاصل کیے تھے۔ دو دن بعد اس کی F.S.C کی کلاسز شروع ہو رہی تھیں، طلحہ چاہتا تھا کہ وہ ڈاکٹر بنے، لیکن آفتاب احمد خود وسائل کی کمی کی وجہ سے انجینئر نہیں بن سکے تھے، وہ چاہتے تھے، اب ان کا بیٹا انجینئر بنے۔ طلحہ آفتاب احمد کو منانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا مگر آفتاب احمد نہیں مان رہے تھے۔

O

پندرہ دن کے بعد جب طلحہ کے دوست مدثر نے طلحہ کو کالج میں بینچ پر اُداس بیٹھے دیکھا تو اُس سے پوچھا:

”طلحہ! کیا بات ہے، بہت پریشان لگ رہے ہو۔“

”کوئی خاص بات نہیں مدثر۔“

”طلحہ! اب مجھ سے چھپاؤ گے۔ بتاؤ نا کیوں اتنے پریشان ہو۔“

”تمہیں تو پتا ہے، مجھے ڈاکٹر بننے کا شوق ہے۔ میتھس تو بالکل مجھے آتی ہی نہیں۔“

''پھر کیا ہوا؟''

''بابا چاہتے ہیں کہ میں ''میتھس'' پڑھ کر انجینئر بنوں۔''

''انھیں معلوم تو ہے کہ تمھیں میتھس نہیں آتی پھر بھی۔''

''ہاں وہ کہتے ہیں ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔''

مدثر اسے سمجھاتے ہوئے بولا: ''طلحہ! تم والدین کی اکلوتی اولاد ہو۔ ان کی خواہشات تم پوری نہیں کرو گے تو کون کرے گا، بس ہمت کرو، کوشش کرو، ہو جائے گا۔''

''یہ اکلوتا ہونا بھی ایک مصیبت ہے، والدین ساری امیدیں اسی سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ بھئی بچوں کی اپنی بھی پسند ناپسند ہوتی ہے۔ والدین کو بھی اُن کی خواہشات کا احساس کرنا چاہیے۔'' طلحہ چڑتے ہوئے بولا تھا۔

''اچھا تم کوشش تو کرو۔'' مدثر سمجھاتے ہوئے بولا۔

''دس بارہ دن سے یہی کوشش تو کر رہا ہوں۔'' طلحہ نے منہ بنایا۔

O

آفتاب احمد کے بار بار کہنے اور مدثر کے سمجھانے پر طلحہ نے میتھس پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ جتنا چاہتا کہ اس کی پوزیشن آئے، اچھے نمبر آئیں مگر اس کی سپلیاں آتیں، وہ بہت کوشش کرتا کہ وہ باپ کی اُمیدوں پر پورا اُترے مگر بے سود۔ بالآخر اس نے دو سال کا کورس چار سال میں مکمل کیا۔

اب اس کی شادی ہو چکی تھی اور دو بچے بھی تھے۔ والدین وفات پا چکے تھے۔ اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اسے کوئی بھی کمپنی نوکری دینے کے لیے تیار نہیں تھی، حالانکہ اس نے ڈپلومہ بھی کر لیا تھا مگر اسے نوکری ملنی تھی نہ ملی۔

O

آج جب اسے مدثر ملا اور اس نے حال احوال پوچھا تو پھٹ ہی پڑا، بولا:

''جانے کیوں! والدین اپنے بچوں سے وہ سب چاہتے ہیں جو وہ خود نہیں کر پاتے۔ اب یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر بچہ وہ سب کچھ کر سکے جس کی اُمید اُس کے والدین اس سے کرتے ہیں۔''

''ٹھیک کہتے ہو، لیکن تمھارے لیے ایک خبر میرے پاس بھی ہے۔ تمھاری ملازمت کا بندوبست ہو گیا ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔''

''کیا!!!''

OO

اس کا جواب

عامر اقبال۔ جنڈ

ٹینس دنیا کا پرانا کھیل ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب دنیا کی آبادی پچانوے لاکھ تھی۔

''برازیل میں ٹینس ورلڈ کپ ٹورنامنٹ ہوا۔ اس میں پوری دنیا سے پانچ سو کھلاڑیوں نے شرکت کی۔ اس وقت برازیل میں ایک مسلمان بھی تھا۔ اسے ٹینس کا بہت شوق تھا۔ اسے جب ٹورنامنٹ کے بارے میں پتا چلا تو اس نے اپنا نام برازیل کی طرف سے لکھوادیا۔ پھر دن رات پریکٹس کرنے لگا اور ٹورنامنٹ کا شدت سے انتظار کرنے لگا۔

ٹھیک تین ماہ بعد ٹورنامنٹ شروع ہوا۔ اس کی انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ وہ نہایت دلچسپی اور محنت کے ساتھ ٹورنامنٹ کھیلتا رہا اور آگے بڑھتا رہا اور آخر فائنل تک پہنچ گیا۔ امریکی ملک نے اسے بہت لالچ دیا کہ وہ فائنل ہار جائے، کیونکہ اس کا فائنل امریکہ کے شہری کے ساتھ تھا، لیکن اس نے ان کی تمام تر پیش کشوں کو ٹھکرادیا اور فائنل لگن کے ساتھ کھیلا اور جیت گیا۔ یہ ٹینس کا سب سے پہلا ٹورنامنٹ تھا۔ ٹینس ورلڈ اس کے قدموں میں تھا اور پھر اسے دنیا کی سب سے بڑی ٹرافی تھمادی گئی۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

کچھ سالوں بعد ایک اور ٹورنامنٹ منعقد ہوا۔ اس کا میزبان انگلینڈ تھا۔ جب وہ اپنا نام لکھوانے گیا تو اسے بتایا گیا کہ اس ٹورنامنٹ میں کالوں کے داخل ہونے پر پابندی لگادی گئی ہے تو وہ بہت رنجیدہ ہوا، کیونکہ اس کا رنگ بھی کالا تھا۔

لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور امریکہ چلا گیا۔ وہاں جا کر کالوں کے حقوق بحال کرنے پر جنگ کی۔ یہاں بھی قسمت نے اس کا ساتھ دیا اور وہ جنگ جیت گیا۔ اس نے واپس آکر انگلینڈ میں اپنی ٹیم کا نام شامل کرادیا۔

اسی دوران ٹورنامنٹ شروع ہوگیا اور اسے پریکٹس کا موقع نہ ملا، لوگوں کا خیال تھا کہ پریکٹس نہ ہونے کے سبب وہ ہار جائے گا، لیکن اس بار پھر قسمت کے ساتھ دینے پر وہ ٹورنامنٹ جیت گیا۔ اس دوران وہ بیمار ہوگیا اور ڈاکٹروں نے اس کی بیماری کو ایڈز کا نام دیا۔ یہ پہلا مسلمان شخص تھا جسے ایڈز ہوا۔ وہ ہسپتال داخل ہوگیا۔ اس دوران اسے اپنے کسی شیدائی نے خط لکھا:

''دنیا کی آبادی پچانوے لاکھ ہے۔ خدا نے تمہیں ہی ایڈز کے لیے کیوں چنا۔''

اس نے کاپی پین منگوایا اور اپنے فین کو اس کے خط کا جواب دیا:

''دنیا کی آبادی پچانوے لاکھ ہے۔ پچانوے لاکھ میں سے پچانوے ہزار آدمی ٹینس کا شوق رکھتے ہیں۔ پچانوے ہزار میں سے پچانوے سو آدمی ٹینس کی لائن جوائن (Join) کرتے ہیں۔ پچانوے سو میں سے پانچ سو آدمی ٹینس کے مقابلے میں آتے ہیں اور پانچ سو میں سے ایک آدمی وہ ہوتا ہے جسے میرا رب سب پر حاوی کردیتا ہے اور رب کے علاوہ

آمنے سامنے

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ: آیئے چلتے ہیں، سالنامہ قدم بہ قدم کی طرف۔ سرورق خوب صورت تھا۔ اثر جون پوری کے شعر نے اسے مزید خوب صورت بنا دیا۔ آپ کو انعام ملنے پر مبارک باد ہو۔ ''دو باتیں'' کی خوش گوار پھلوار سے لطف اندوز ہو کر آگے بڑھے۔ نادیہ حسن کی 'بارش کے بعد' پڑھ کر آنکھیں دھندلا گئیں۔ حافظ عبدالرزاق کی ''دنیا کی مجمل تاریخ'' نے علم میں اضافہ کیا۔ محمد شاہد فاروق کو شاعر کے روپ میں دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی۔ محمد حسن سرفراز نے اپنی ادیبانہ آرزو کا اظہار بہت خوب صورت انداز میں کیا۔ ''تین چار اینٹیں'' اچھا موضوع تھا۔ محمد طارق سمرا نے بہت محنت کی۔ ''شجر سے ٹوٹی شاخوں'' نے وطن سے محبت کا درس دیا۔ ''آخری جھٹکا'' متاثر نہیں کر سکا۔ ''بچوں کا اسلام کے پانچ ادوار'' پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آئے۔ نیوز چینل نے کچھ چٹ پٹی اور کچھ اوٹ پٹانگ خبریں سنائیں۔ غلام حسین نے کامیاب تجارت کا گر بتایا۔ غلام رسول زاہد صاحب نے تکبر سے باز رہنے کا سبق سکھایا۔ ''کئی ماہ بعد'' میں فوزیہ خلیل نے مصائب پر صبر کا سبق دیا۔ سرور مجذوب نے ''انگوٹھی کا راز'' میں دیانت داری کی اعلیٰ مثال دی۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ عارفی کی ''بے نام دوست'' اداس کر گئی۔ ساجدہ بتول کی کہانی ''دوسری بار'' نے ہمیں دوسری بار تبصرہ کرنے پر تیار کر دیا۔ محمد طارق کی ''روشن صبح'' اپنی تابنائی کے ساتھ نمودار ہوئی اور آگے قدم بڑھایا تو وہ شاہکار سامنے آیا جس کا انتظار تھا، یعنی اشتیاق احمد سے انٹرویو۔ قارئین کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔

ہمارا آپ سے سوال یہ ہے کہ آپ کی کہانیاں مشاہدات پر مبنی ہوتی ہیں تو ''یوڈا پر حملہ'' اور ''وادیٔ مرجان'' جیسے ناولوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔ کیا یہ بھی مشاہدات پر مبنی تھے۔ حافظ حمزہ کی ''روٹی میں سوراخ'' لیے کھڑے نظر آئے۔ یہ تحریر اللہ کی قدرت کا سبق دے رہی تھی۔ آخری وصیت تو بہت ہی اہم موضوع پر لکھی گئی پر اثر تحریر تھی۔ عبیرہ سرور کی کہانی ''وہ'' پر اثر تھی۔ (بنتِ نور۔ کورنگی کراچی)

(ج) طویل ترین تبصرے کے لیے شکریہ۔ اگر اسے مختصر نہ کرتا تو شمارے کا چوتھائی حصہ صاف تھا۔

O

سالنامہ تمام خوب تھا۔ آخری وصیت، غلام نہیں بھائی بہت زبردست کہانیاں تھیں۔ اثر جون پوری سالنامے میں نمبر ون رہے۔ (انجمن نوجوانانِ اسلام۔ رشید آباد ملتان)

O

پورا سال انتظار کرنے کے بعد آخر سالنامہ میرے ہتھے چڑھ ہی گیا۔ اس شمارے کی جو سب سے بڑی خوبی ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں میری کہانی موجود ہے، بلکہ اس سے بھی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی دو باتیں میں میرا نام موجود ہے۔ اب دیکھ لیں کہ انھی خوبیوں کی برکت سے شمارہ ہاتھوں ہاتھ بکا ہے۔ اگر آئندہ بھی ایسی برکت چاہیے تو چپ چاپ میری

کہانیاں چھاپتے رہا کریں۔ مذاق سے ہٹ کر سالنامہ امیدوں سے بڑھ کر خوب صورت تھا۔ سب سے اچھی تحریر محمد شاہد پھلور کی تھی۔ ویسے میں تمام اشتہارات کو کہانیاں سمجھ کر پڑھ چکی ہوں۔ (ساجدہ بتول۔ ملتان)

O

سالنامہ ملا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ملک صفی اللہ کی غلام نہیں بھائی بہت پسند آئی اور عمیرہ کی تحریر ''وہ'' بھی۔ اسلامی جنگیں قدم بہ قدم بہت اچھا سلسلہ ہے۔ (حافظ نوید احمد۔ حضرو)

O

سالنامہ مڑمڑا کے سب سے پہلے ہمارے ہاتھ ہی آیا۔ سب سے پہلے ایک نظر تمام صفحات پر ڈالی۔ سالنامے میں کہانیاں طویل تھیں۔ مجھے مختصر کہانیاں پسند ہیں۔ ''بے نام دوست'' بور بور سی لگی۔ لکھنے والوں سے درخواست ہے کہ مزاحیہ کہانیاں لکھا کریں۔ ہم نیوز چینل بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ انٹرویو کے سلسلے میں اشتیاق احمد نے انصاف نہیں کیا۔ انٹرویو بہت لمبا کر دیا جب کہ آثر جون پوری کا انٹرویو صرف دو صفحات کا تھا۔ (شفیق یوسف۔ محمدی محلّہ ملتان)

O

سالنامہ بہت پسند آیا۔ اس میں آپ کا انٹرویو بہت اچھا تھا۔ سالنامے میں تمام لکھنے والے پرانے تھے۔ آپ نے نئے لکھنے والوں کی کہانیاں شائع نہیں کیں۔ (امِ حبیبہ، محمد خالد اقبال۔ شفیق موڑ)

(ج) اور عمیرہ صاحبہ کی کہانی ''وہ'' کے بارے میں کیا خیال ہے۔

O

19 کہانیوں اور 15 اشتہارات والا نواں سالنامہ پڑھا۔ دو باتیں سادہ تھیں۔ ''بارش کے بعد'' نے گناہوں کو دھو دیا۔ اسلامی جنگیں اچھی رہیں۔ ''شجر سے ٹوٹی شاخیں'' خوب رہی۔ آمنے سامنے ایک آئینہ ہے۔ (محمد بلال صدیقی۔ فیڈرل بی ایریا کراچی)

O

سالنامے کے سرورق پر آثر جون پوری کے انٹرویو نے آٹھ چاند لگا دیے۔ اس کی خواہش، بے نام دوست، غلام نہیں بھائی، روشن صبح، نیا ملازم، وہ پہلے نمبر پر رہیں۔ بارش کے بعد، کیسا سودا، کئی ماہ بعد، انگوٹھی کا راز اور روٹی میں سوراخ دوسرے نمبر پر رہیں۔ تین چار اینٹیں، دوسری بار، آخری وصیت اور دنیا کے سب رشتے تیسرے نمبر پر رہیں۔ آپ کا انٹرویو بہترین تھا، لیکن آپ کچھ سوالات کے جوابات گول کر گئے۔ نیوز چینل ہمیشہ کی طرح اعلیٰ تھا۔ (حفصہ۔ اسلام آباد)

O

سالنامہ نو سالہ محنت اور کاوشوں کے پھولوں کا گل دستہ تھا، اثر جون پوری کے اشعار کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ قرآن وحدیث اور دو باتیں پڑھیں۔ ''دو باتیں'' میں ہر بار کی طرح کئی باتیں تھیں۔ نادیہ حسن کی کہانی نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ''اسلامی جنگیں قدم بہ قدم'' جہاد کی اہمیت، اسلام کیسے پھیلا، صحابہ کرام کی بہادری اور سچائی کو بہت عمدگی سے بیان کر رہا ہے۔ ''دو باتیں قدم بہ قدم'' بہت ساری دو باتیں سالنامے کی زینت بن گئیں۔ ''شجر سے ٹوٹی شاخیں'' اس بات کا پیغام دے رہی تھیں کہ کسی نظام کو درست کرنے کے لیے، وہیں رہ کر اپنے فرائض کو نبھانا پڑتا ہے۔ نیوز چینل نے زیادہ لطف نہیں دیا۔ ''کیسا سودا'' بہترین لگی۔ ''اس کی خواہش'' میں ہمیشہ کی طرح غرور کا سر نیچا ہوا۔ مسکراہٹ کے پھولوں میں خوشبو نہیں تھی۔ ''تین چار اینٹیں'' سے پتا چلا، زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا۔ ''کئی ماہ بعد'' میں تشنگی محسوس ہوئی۔ ''انگوٹھی کا راز'' اپنے شعبے میں دیانت داری کی شمع روشن کرنے والوں کی جھلک دکھا گئی۔ ''دوسری بار'' ٹھیک ہی تھی بس۔ ''روشن صبح'' میں اسلام دشمنوں کی چالیں واضح کی گئیں۔ ''آخری وصیت'' میں خان بابا کے جذبے نے ہمیں رلا دیا۔ سنتِ نبوی پر عمل ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ عمیرہ خان پور کی تحریر ''وہ'' نے اچھا سبق دیا۔ آمنے سامنے میں تمام خطوط کے نیچے جوابات لاجواب تھے مگر صبغت اللہ قاسم کے خط کا جواب بہت پسند آیا۔ آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے۔ کیا آپ زندگی میں کبھی مایوس نہیں ہوئے۔ اگر ہوئے تو اسے کیسے ختم کیا؟ (رفعت جہاں بنتِ محمد حنیف اکبر۔ شاہ فیصل کالونی کراچی) (مختصر کیا گیا)

(ج) ان گنت مرتبہ مایوسیوں کا شکار ہوا۔ پہلے تو مجھے مایوسیوں سے نبٹنے کا طریقہ معلوم ہی نہیں تھا، نہ ذہن دینی تھا۔ اس لیے مایوسیاں گھیر لیا کرتی تھیں۔ اب کوئی ایسا موقع آتا ہے تو معاملہ اللہ کے حوالے کر دیتا ہوں۔

O

انکل! ہماری خواہش ہے کہ آپ آئندہ سالنامے کی دو باتیں مقاماتِ مقدسہ میں بیٹھ کر لکھیں اور ہم بھی سالنامہ انھی مقامات میں بیٹھ کر پڑھیں۔

''بارش کے بعد'' اچھی تحریر تھی۔ ''اسلامی جنگیں قدم بہ قدم'' کے معمول نے مطابق جذبہ جہاد ابھارا۔ ''شجر سے ٹوٹی شاخیں'' جان دار تحریر تھی۔ اثر جون پوری کی مبارک باد کو دل سے قبول کیا۔ ''بچوں کا اسلام کے پانچ ادوار'' کو بہت دل کش انداز میں پیش کیا گیا۔ پڑھ کر محسوس ہوا، زندگی بہت تیزی سے گزر رہی ہے۔ کیسا سودا؟ سبق آموز تھی۔ ''اس کی خواہش'' عبرت انگیز تھی۔ مسکراہٹ کے پھول بہترین تھے۔ ''تین چار اینٹیں'' حقیقت کے قریب تھی۔ ادیبانہ آرزو اچھی تھی۔ ''کئی ماہ بعد'' نے استقامت کا سبق دیا۔ ''بے نام دوست'' خوب صورت کہانی تھی۔ ''انگوٹھی کا راز'' سے سبق یہ حاصل ہوا کہ بندے کے دل میں اللہ کا خوف ہو تو مال و دولت کے انبار بھی اسے گمراہ نہیں کر سکتے۔ ''روشن صبح'' انتہائی روشن کہانی تھی۔ اس کے بعد عنوان تھا، اشتیاق احمد سے انٹرویو۔ یہ انٹرویو ہے یا بکھرے ہوئے موتی ہیرے۔ ہر جواب

سے ایمان کی خوشبو مہک رہی ہے۔ آپ کے جواب ڈاڑھی اور سنتوں کی پیروی نے روح کو سرشار کر دیا۔ پتا نہیں کیوں، ہم نے اس جواب کو کئی بار پڑھا۔ آپ کی نفاذ شریعت کی خواہش نے دل کو زخمی کر دیا۔ انٹرویو کا دوسرا حصہ بھی ٹاپ پر رہا۔ "روٹی میں سوراخ" شان دار کہانی تھی۔ "دنیا کے سب رشتے" بہت اچھی کہانی تھی۔ "آخری وصیت" ایک منفرد کہانی تھی۔ ہم بھی کتنے بے وفا ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کو بھی یاد نہیں رکھا۔ آمنے سامنے میں خطوط کے نیچے جوابات پڑھ کر سیروں خون بڑھ گیا۔ تمام کہانیوں میں بہترین کہانی کون سی تھی۔ ہم یہ فیصلہ نہیں کر پائے۔ (بنتِ محمد رقیب غوری۔ لانڈھی کالونی کراچی) (مختصر کیا گیا)

(ج) اب تو میں بھی وہ جوابات پڑھوں گا۔

O

دادا جان! سالنامہ تھا یا ہالۂ نور۔ چھائے رہے طارق سمرا اور محمد شاہد پھلور۔ تین چار اینٹیں کی کیا بات ہے۔ اللہ بچوں کا اسلام کو حاسدوں سے دور رکھے۔ (محمد تاشیر الاسلام، محمد توقیر الاسلام۔ اسلام آباد)

O

سالنامہ ملنے پر جو خوشی ہوئی، وہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی۔ ہمارے سوالات انٹرویو کے پہلے ہی حصے میں شامل تھے۔ سالنامہ سرورق سے لے کر آخری صفحے تک بہت اچھا تھا۔ ہر ہر کہانی ایک الگ سبق دے رہی تھی۔ رسالے کو دیکھ کر تمام لوگوں کی محنت کا پتا چل رہا تھا۔ تمام کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ (مریم طارق۔ کراچی)